بعض اہم

اسلامی اصطلاحات

اور

ان کی تشریح

ایمان، اسلام، مسلمان، کفر، کافر، جہاد، دار الاسلام، دار الحرب، جزیہ اور نسخ جیسی اصطلاحات کی وضاحت موجودہ حالات کے پس منظر میں

مولانا سیّد جلال الدین عمری

ترتیب

☆☆

عرض ناشر

یہ کتابچہ پہلے دوبار شائع ہو چکا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ یہ ایڈیشن مولانا محترم کی نظر ثانی کے بعد پریس جا رہا ہے۔ اس سے بعض باتیں زیادہ وضاحت کے ساتھ آ گئی ہیں۔ امید ہے اس سے اس کی افادیت اور بڑھ جائے گی۔ انٹر یو میں جو سوالات چھیڑے گئے ہیں، بہ ظاہر ان کا تعلق ہمارے ملک ہندوستان سے ہے، لیکن ان کا ایک عالمی پس منظر بھی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کتابچہ پڑوسی ملک پاکستان سے بھی شائع ہوا ہے۔ ضرورت ہے کہ بڑے پیمانے پر اس کی اشاعت ہو۔

۹؍ جولائی ۲۰۱۳ء

ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

برادران وطن اور دیگر غیر مسلمین کے اندر اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ایک بڑا سبب بعض اسلامی اصطلاحات کو نہ سمجھنا بھی ہے۔ عام لوگوں کی ناواقفیت اور غلط فہمیوں سے فائدہ اٹھا کر بعض مسلم مخالف حلقے ان اصطلاحات کو غلط معنی پہناتے ہیں اور اس کی بنیاد پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ ویسے ان اصطلاحات اور کچھ دیگر مفروضات کی بنیاد پر اسلام مخالف پروپیگنڈا اس برصغیر میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ماضی قریب میں کچھ متشدد دھارمک تنظیمیں یہ کام بڑے پیمانے پر اور لگاتار کرتی رہی ہیں، جس کے اثرات ابھی تک چلے آرہے ہیں۔ شمالی ہند میں آریہ سماج کے متعدد قائدین فصیح و بلیغ اردو بولتے اور لکھتے تھے۔ ان میں بہت سے افراد عربی اور فارسی سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے تحریروں، تقریروں اور مناظروں کے ذریعے نہ صرف عام غیر مسلموں کے دل و دماغ مسموم کیے، بلکہ سیدھے سادے مسلمانوں کے اندر بھی شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ شدھی کی تحریک اسی ذیل میں تھی۔ ہر چند کہ علمائے اسلام نے ان اعتراضات، سوالات اور پروپیگنڈوں کے معقول و مدلل جوابات دیے، مگر چوں کہ وہ جوابات اعلیٰ علمی سطح کے ہوا کرتے تھے اور ان کے مخاطب بھی بالعموم صرف معترضین ہوتے تھے، اس لیے اسلام کی بات عام لوگوں تک نہیں پہنچ پاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ معترضین کا منشا تلاشِ حق نہیں ہوتا تھا، عام لوگوں کے اندر غلط فہمیاں پیدا کرنا ان کا اصل

مقصد تھا، اس لیے وہ اپنا کام پوری یکسوئی سے کرتے رہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے اندر سے کوئی ایسی تنظیم اور موثر تحریک نہیں اٹھی جو غیر مسلم آبادی کے اندر پیدا شدہ غلط فہمیاں دور کر کے انہیں دین اسلام سے کما حقہ واقف کراتی۔ اگر کچھ کام ہوا بھی تو خود مسلمانوں کی اصلاح و تبلیغ اور انہیں ارتداد سے روکنے کا ہوا، جو اس وقت کے حالات کے لحاظ سے نہایت اہم، ضروری اور قابل قدر کام تھا، لیکن غیر مسلم باشندے بدستور غلط فہمیوں میں مبتلا رہے۔ انہیں حقائق سے باخبر کرانے والی تحریک موجود نہیں تھی۔ اس وقت کے اثرات ابھی تک چلے آنے کی وجہ دراصل یہی ہے۔ فی زمانننا مخالفت کا یہ محاذ آر ایس ایس اور اس کی درجنوں ذیلی تنظیموں نے سنبھال رکھا ہے۔ چناں چہ اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف پروپیگنڈا ہنوز جاری ہے اور پہلے کے مقابلے میں زیادہ بڑے پیمانے پر جاری ہے۔

ضرورت تھی کہ بعض اسلامی اصطلاحات کی بنیاد پر کیے جانے والے پروپیگنڈوں کا نوٹس لے کر اس کا تدارک کیا جائے اور احسن طریقے سے برادرانِ وطن کی غلط فہمیاں دور کی جائیں۔ ممتاز عالم دین مولانا سید جلال الدین عمری کا یہ انٹرویو اسی کوشش کی ایک کڑی ہے۔ اگرچہ سوالات قائم کرتے وقت ایک غیر مسلم کے ذہن کو سامنے رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم ان جوابات سے ان مسلمانوں کا ذہن بھی صاف ہو جائے گا جو عدمِ واقفیت کی بنا پر احساسِ کمتری میں مبتلا رہتے ہیں۔

اسلام مخالف عناصر کے پروپیگنڈوں سے پیدا شدہ یہ صورتِ حال اگرچہ بظاہر خطرناک تو ہے، لیکن برادرانِ وطن کے دلوں پر دستک دینے کا ایک بہترین موقع بھی ہے اور اس موقعے کو لازماً استعمال کیا جانا چاہیے۔

دعوت نگر، نئی دہلی
۱۰/اگست ۲۰۰۲م

پرواز رحمانی
ایڈیٹر سہ روزہ دعوت

بعض اہم اسلامی اصطلاحات اور ان کی تشریح

۱- **سوال :** اسلام کیا ہے؟

ہمارے برادرانِ وطن اور اُن تمام لوگوں کے لیے جو اسلام اور اس کے احکام کا براہِ راست مطالعہ نہیں رکھتے، بعض اسلامی اصطلاحیں ہمیشہ غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کا باعث رہی ہیں۔ مثلاً کفر، ایمان، کافر، مومن، جہاد، حلال، حرام وغیرہ۔ فی زماننا یہ رجحان بہت بڑھ گیا ہے۔ بعض حلقے اس سلسلے میں جان بوجھ کر غلط فہمیاں پیدا کر کے عوام الناس کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ہر چند کہ ان اصطلاحوں کی وضاحت ماضی میں بھی ہوتی رہی ہے، مگر موجودہ حالات میں ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ان کی حقیقت ایک بار پھر واضح کی جائے۔ آپ سب سے پہلے لفظ اسلام کی مختصر تشریح فرمائیں؟

جواب :

دو لفظ ہم بولتے ہیں۔ ایک ایمان کا لفظ اور دوسرا اسلام کا۔ ایمان کے اندر بنیادی تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین نازل کیا ہے اور جو شریعت اس نے عطا کی ہے اس کے حق ہونے کا آدمی کو یقینِ کامل ہو۔ مثال کے طور پر اللہ کی ذات و صفات، رسولؐ کی رسالت، آخرت کے حساب و کتاب، جنت و دوزخ اور ملائکہ جیسی غیبی حقیقتوں پر آدمی کو یقین ہو کہ یہ حقیقتیں جیسی کچھ اللہ کی کتاب اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت میں

بیان ہوئی ہیں وہ صحیح ہیں۔ یہ ہے ایمان کا بنیادی تصور۔ اسلام کا تصور یہ ہے کہ آدمی اس یقین پر کاربند ہو اور اس کے مطابق زندگی بسر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکام ہمیں دیے ہیں، ان کے مطابق زندگی گزارنا، اس کے احکام کی پابندی اور ان پر عمل کرنا اسلام ہے۔ مثال کے طور پر اللہ نے انسان کو بعض عبادات کا پابند بنایا ہے، خاص قسم کی معاشرت عطا کی ہے، تہذیب و تمدن کے کچھ طریقے بتائے ہیں، اخلاق کی کچھ حدود قائم کی ہیں، سیاست کے متعین اصول و آداب بتائے ہیں، ان پر عمل کرنا اسلام ہے۔ لیکن قرآن اور حدیث میں کبھی کبھی اسلام اور ایمان کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر بھی استعمال ہوئے ہیں۔ ایمان کہہ کر عمل اور اسلام کہہ کر عقیدہ مراد لیا گیا ہے۔ اس طرح دونوں الفاظ ہم معنی بھی استعمال ہوئے ہیں، اس لیے یہ الجھن نہیں ہونی چاہیے کہ یہ اسلام ہے یا ایمان؟ مختصر طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایمان یقین کامل اور اسلام اس کے مطابق عمل کا نام ہے۔ لیکن کبھی ایمان اسلام کے معنی میں اور کبھی اسلام ایمان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۲- **سوال :** اسلام پر ایمان نہ لانے والوں کے لیے مستعمل مختلف الفاظ؟

آپ کی گفتگو سے واضح ہوا کہ اسلام پر ایمان رکھنے والوں کو مومن، یا مسلم کہتے ہیں۔ غالباً مسلم ہی کو فارسی زبان میں مسلمان کہا جاتا ہے، جو عام طور پر رائج ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ دین اسلام پر ایمان نہیں رکھتے آخر انھیں کیا کہا جائے گا؟

جواب :

جو لوگ اسلام پر ایمان و یقین نہیں رکھتے ان کو قرآن کی اصطلاح میں کافر، مشرک، ملحد اور مرتد کہتے ہیں۔ اسی ذیل میں منافق کی اصطلاح کا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ان سب کے الگ الگ معنی ہیں۔ کافر وہ ہے جو اللہ کے دین کو نہ مانے اور اسے تسلیم ہی نہ کرے۔ مشرک وہ ہے جو توحید کا قائل نہ ہو۔ یعنی اللہ کو ایک نہ مانے۔ الحاد کے معنی انحراف کے ہیں۔ ملحد وہ ہے جو دین سے منحرف ہوجائے۔ یہ انحراف کبھی جزوی

ہوتا ہے اور کبھی کلی۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص بظاہر اسلام کو ماننے اور کسی ایک گوشہ میں کفر کو ترجیح دینے لگے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ پورے دین ہی سے پھر جائے۔ مرتد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دائرۂ اسلام میں تھا اور پھر اس سے نکل گیا۔ منافق وہ ہے جو زبان سے ایمان کا دعویٰ کرے، لیکن دل سے اللہ کے دین کو نہ مانے اور اُسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ اس طرح ان مختلف اصطلاحات کے الگ الگ معنی ہیں اور قرآن نے ان سب کو حسب موقع استعمال کیا ہے۔ کفر کا ایک تصور تو یہ ہے کہ وہ ایمان کے بالمقابل استعمال ہوا ہے۔ اس پہلو سے وہ شخص جو اسلامی عقائد پر ایمان رکھتا ہے وہ مومن ہے اور جو انکار کرتا ہے وہ کافر ہے۔ کفر کا لفظ ناشکرے پن کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ کافر وہ ہے جو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ چناں چہ قرآن میں کفر کو شکر کے بالمقابل بھی استعمال کیا گیا ہے۔ یہ مختلف اصطلاحات اپنے اندر مختلف معانی رکھتی ہیں۔

۳- **سوال :** کیا لفظ کافر سے نفرت کا اظہار ہوتا ہے؟

لفظ کافر کا مفہوم اگر چہ بحیثیت مجموعی واضح ہے۔ علمائے کرام بھی اس کی تشریح کرتے رہے ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت اس بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہے، لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ اس لفظ کے سلسلے میں غیر مسلمین، خاص طور سے ہمارے برادرانِ وطن میں بہت ساری غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ بہت سے لوگ اسے اپنے لیے ایک گالی سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ماضی میں ہندو مہا سبھا نے اور بعد میں آریہ سماج نے غلط فہمیاں پھیلائی تھیں، جس کے اثرات ابھی تک چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا میں چاہوں گا کہ لفظ کافر کی مزید وضاحت ہوجائے؟

جواب :

غلط فہمیوں کا جہاں تک تعلق ہے اس کے مختلف اسباب ہیں، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کہ کافر کا لفظ اسلام میں کسی کو بھڑکانے اور مشتعل کرنے، یا کسی کے ساتھ نفرت اور عداوت کے اظہار کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل اسلام یہ چاہتا ہے کہ یہ بات

بالکل واضح رہے کہ کون شخص اس کے پیش کردہ عقیدے، یا فکر کو اور اس پر مبنی نظام عمل کو قبول کرتا ہے اور کون قبول نہیں کرتا۔ کون لوگ ہیں جو اسلام کے ماننے والے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، کون اسے خلوص سے مانتا ہے اور کون صرف زبان سے ایمان کا اظہار کرتا ہے؟ غرض یہ کہ اسلام کے بارے میں آدمی کا فکری اور عملی رویہ بالکل واضح اور صاف ہو اور اس میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ یہ بات ان اصطلاحات سے بہ آسانی سمجھ میں آجاتی ہے۔ آپ کا یہ سوال کہ لوگ اس سے کیوں وحشت محسوس کرتے ہیں؟ میرے خیال میں اس کے مختلف اسباب ہیں، اس کا بنیادی سبب تو ناواقفیت ہے۔ جب یہ علم ہی نہ ہو کہ ان اصطلاحات کا معنی ومفہوم کیا ہے اور یہ کیوں استعمال ہوئی ہیں، تو ضروری نہیں کہ آدمی کا ذہن صاف اور غیر جانب دار ہو، اس صورت میں اس کے کسی بھی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا بہر حال امکان رہے گا۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ غلط فہمی پھیلانے کی باقاعدہ اور منظّم کوشش ہو رہی ہو اور یہ بات دل ودماغ میں اُتاری جا رہی ہو کہ مسلمان خود کو بہت اونچا اور دوسروں کو حقیر تصور کرتے ہیں۔ جس شخص کو وہ کافر سمجھتے ہیں اس کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی جارحانہ ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اس کے وہ حقوق نہیں ہیں جو ایک مسلمان کے ہیں اور وہ اسے عام انسانی حقوق دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ حالاں کہ یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ اس دنیا میں جو شخص بھی کسی نظریہ، یا فکر کو اختیار کرتا ہے وہ اسے صحیح اور برحق اور دوسرے نظریات کو غلط اور باطل تصور کرتا ہے۔ ورنہ اسے وہ دوسرے افکار پر کیوں ترجیح دے گا اور اسے کیوں اختیار کرے گا؟ اس پہلو سے اگر کوئی مسلمان اپنے عقیدہ کو حق اور دوسرے عقیدے کو باطل قرار دیتا ہے تو اسے کسی طرح غلط نہیں کہا جاسکتا۔ رہا حقوق کا سوال تو یہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ حقوق ہیں جو اسلامی اخوت کی بنیاد پر ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر عائد ہوتے ہیں۔ اسلام ان حقوق کے ادا کرنے کی ہدایت اور تاکید کرتا ہے۔ یہ حقوق اسی طرح کے ہیں، جس طرح کسی ملت کے افراد کے درمیان ایک دوسرے کے ہوتے ہیں۔ جہاں

تک جان، مال، عزت و آبرو کے احترام اور عام انسانی اور بنیادی حقوق کا تعلق ہے اسلام انسان کو انسان کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ اس معاملہ میں اس نے کافر اور مسلم کے درمیان فرق نہیں کیا ہے بلکہ دونوں کے حقوق ایک بتائے ہیں۔

۴- **سوال :** کیا ان اصطلاحات کو ترک نہیں کیا جاسکتا؟

ہم مسلمانوں کا رویہ ان اصطلاحوں یا الفاظ کے استعمال کے سلسلے میں کیا ہونا چاہیے؟ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ برادرانِ وطن اس سے توحش محسوس کرتے ہیں؟

جواب :

میں نے ایک بات یہ عرض کی تھی کہ اگر کوئی شخص سوال کرے کہ صاحب آپ کا مذہب کیا ہے؟ تو ہمارا جواب ہوگا کہ ہمارا مذہب اسلام ہے اور ہم مسلم ہیں اور جو شخص اسلام کو نہیں مانتا اس کے بارے میں کہیں گے کہ وہ کافر ہے۔ یہ ایک حقیقتِ واقعہ کا اظہار ہوگا کہ کون اسلام کو مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔ اس پر ہمارے برادرانِ وطن کی طرف سے غم و غصے کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔ مسلمان کے نزدیک اسلام ایک حقیقت اور صداقت ہے۔ اس لیے جو اس حقیقت کو نہ مانے اسے کافر یا منکر حقیقت کہا جاتا ہے۔ یہ اسلام کے اقرار، یا انکار کا مسئلہ ہے جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق ہے، جیسا کہ عرض کیا گیا، وہ منکرِ اسلام کے بھی محفوظ رہیں گے۔ یہ بات سلیقہ اور حکمت کے ساتھ سمجھانے کی ضرورت ہے۔ یہ قرآنی اصطلاحات ہیں۔ انہیں ہم بدل نہیں سکتے اور ان کا کوئی دوسرا مفہوم بھی نہیں لے سکتے۔

۵- **سوال :** ایسے الفاظ کیوں استعمال کیے جائیں جن سے کافر اور مسلمان کا فرق بالکل واضح ہو؟

آگے بڑھنے سے پہلے ایک اور سوال کرنا چاہوں گا جو دراصل بہت سے لوگ

کرتے ہیں کہ آپ اتنا کلیر کٹ کیوں ہونا چاہتے ہیں کہ یہ کافر ہے اور یہ مسلمان ہے؟ ایسا کوئی لفظ استعمال کیوں نہیں کرتے جس سے معلوم ہو کہ سب ایک ہیں۔ تا کہ اسلام کے ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان کوئی فرق و امتیاز ہی نہ رہے۔ مثال کے طور پر کسی ملک کی طرف نسبت کردیجیے، ہندوستانی کہیے، پاکستانی کہیے، امریکی کہیے یا کچھ بھی کہیے، آخر یہ اصرار کیوں کہ کفر اور اسلام کا فرق بالکل واضح ہونا چاہیے؟

جواب:

ہاں یہ سوال بہت سے لوگ کرتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ سوال بالکل سادہ لوحی پر مبنی ہے۔ اسے میں دو ایک مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔ ایک شخص مسلمان ہوتا ہے تو اس پر نماز فرض ہو جاتی ہے۔ کسی کافر سے اس کا مطالبہ نہیں ہوگا کہ وہ نماز پڑھے اور اس پر کسی طرح کی سختی از روئے شریعت ناروا ہوگی۔ جب کہ اسلامی ریاست میں کوئی مسلمان نماز ترک کردے تو اس پر سختی کی جائے گی۔ وہ زکوٰۃ نہ دے تو اس سے زبردستی زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ حج فرض ہونے پر حج کو نہ جائے تو اس سے باز پرس ہوگی اور اسے سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ لیکن ایک کافر سے اس طرح کا کوئی سوال ہوگا اور نہ اس پر اس کی گرفت ہوگی۔ اس لیے اسلام چاہتا ہے کہ اسلام کے ماننے والوں سے الگ ان کی حیثیت معاشرے میں متعارف ہو، تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ وہ لوگ ہیں، جن پر اسلامی احکام نافذ ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہیں، جن پر اسلامی احکام نافذ نہیں ہوں گے۔ سماجی زندگی سے ایک مثال لیجیے، ایک مسلمان محرّمات میں شادی کرلے تو اس کا نکاح ختم ہوجائے گا اور اسے سزا بھی ہوگی، جب کہ ایک کافر اگر اپنے مذہب اور قانون کے تحت ایسا کرتا ہے تو اسلامی ریاست اُسے باقی رکھے گی۔ اسی طرح بعض احکام کے بارے میں فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اگر کوئی شخص ان پر عمل کرنے سے انکار کردے تو اسلامی حکومت اُسے جیل بھیج دے گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی گردن مار دی جائے گی۔ لیکن غیر مسلم اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

۶- **سوال:** کیا اس شخص کو بھی کافر کہا جائے گا جس تک ابھی اسلام کی دعوت پہنچی ہی نہ ہو؟

اس سلسلے کی ایک اور بات وضاحت طلب ہے۔ وہ یہ کہ کسی غیر مسلم کو ہم کافر کس وقت کہیں گے؟ ظاہر ہے کہ ایک شخص کو کافر اسی وقت کہا جائے گا جب ہم اسلام کی دعوت اس تک اچھی طرح پہنچا دیں اور وہ خوب سوچ سمجھ کر اس کا انکار کردے۔ گویا اسلام کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ٹھہرے گا۔ جب کہ آج پوزیشن یہ ہے کہ ہم نے دعوت پہنچائی ہی نہیں تو ہم اپنے برادرانِ وطن کو کافر کس طرح کہہ سکتے ہیں؟

جواب:

اس مسئلہ کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ایک شخص اللہ کے دین یعنی اسلام کو نہیں مانتا ہے تو اسے اس کا منکر ہی کہا جائے گا۔ اسی کو اصطلاح میں کافر کہا جاتا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اس نے اللہ کے دین کا انکار سوچ سمجھ کر اور اسلام سے واقفیت کے بعد کیا ہے، یا اسے اس کا موقع نہیں ملا ہے؟ اگر اسے اس کا موقع نہیں ملا ہے تو یہ ہماری شدید کوتاہی ہے۔ اس پر اللہ کے ہاں ہم سے باز پرس ہوسکتی ہے، لیکن اس سے اس واقعہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس وقت اللہ کے دین کو نہیں مان رہا ہے۔ اسی معنی میں وہ کافر ہے۔ اس سے کسی کو وحشت نہیں محسوس کرنی چاہیے۔

۷- **سوال:** اسلام قبول کرنے پر کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جاسکتا

دعوت کے سلسلے میں ایک پہلو اور بھی ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ـ سورۃ الکافرون ـ (تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین) تو اس کا اطلاق کب اور کن حالات میں ہوگا؟

جواب :

اسلام میں یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ بتائی گئی ہے کہ کسی بھی شخص کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور اگر بالفرض کسی کو دائرۂ اسلام میں لانے یا اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے تو اسے مسلمان نہیں مانا جائے گا۔ وہ بہ خوشی اپنے مذہب پر قائم رہ سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اختیار بہرحال اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا ہے اور وہ اسے باقی رکھنا چاہتا ہے کہ انسان چاہے تو اسلام قبول کرے، چاہے تو نہ کرے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رسول اللہ ﷺ سے خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ سب ہی لوگ مسلمان ہوجایں تو انہیں مسلمان ہی پیدا کرتا۔ پھر کفر و ایمان کی بحث ہی ختم ہو جاتی اور آدمی کا امتحان ہی نہ ہوتا تو آپ آخر کیوں چاہتے ہیں کہ خواہی نہ خواہی سب مسلمان ہو ہی جائیں اور اسلام قبول کر ہی لیں۔

۸- **سوال :** جہاد کا صحیح تصور

لفظ کافر کے علاوہ آج کل ایک اور لفظ یا اسلامی اصطلاح 'جہاد' کے سلسلہ میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، بلکہ میڈیا اور کچھ سیاسی حلقے اس لفظ کو انتہائی بھیانک اور ناپسندیدہ بنا کر پیش کر رہے ہیں اور اس کے حوالے سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بدگمانیاں پھیلا رہے ہیں۔ گزارش ہے آپ 'جہاد' یا اسلامی جہاد کا معنی و مفہوم واضح فرمائیں؟

جواب :

یہ بات خود ہمارے ذہن میں صاف رہنی چاہیے اور ہندوستان کے سیاق میں تو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کی جانی چاہیے کہ کوئی فرد کسی پر حملہ کرتا ہے، یا اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے، یا اسے قتل کرتا اور مار ڈالتا ہے تو اسے جہاد نہیں کہا جائے گا۔ جہاد دراصل ریاست کا عمل ہے اور اسلامی ریاست کو جہاد کا حق ہے۔ وہ اپنے حالات کے لحاظ سے جہاد کرسکتی ہے۔اس اقدام سے پہلے اسے قرآنی ہدایات کے

مطابق مادّی، دعوتی اور اخلاقی تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اصولی حیثیت سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ دنیا کی ہر ریاست کو دوسری ریاستوں سے جنگ اور امن کا حق حاصل ہے۔ اس کے لیے اس کے دستور میں گنجائش ہوتی ہے۔ حکومتیں اس کی تیاری کرتی ہیں اور حالات کے لحاظ سے جنگ اور امن کے مرحلہ سے گزرتی ہیں۔ اسلامی ریاست کا بھی یہی معاملہ ہے کہ جب اس کے لیے جنگ کے حالات پیدا ہوجائیں تو وہ جنگ کرے گی۔ لیکن جنگ سے پہلے اسے بہت سی باتوں پر غور کرنا ہوگا، مثال کے طور پر آیا وہ مادّی اور سیاسی لحاظ سے حریف سے ٹکر لے سکتی ہے، یا نہیں؟ فرض کیجیے، آج چند ہزار یا چند لاکھ نفوس پر مشتمل اور مادّی وسائل و ذرائع سے تہی دامن کوئی چھوٹی سی ریاست یہ اعلان کردے کہ وہ اسلامی ریاست ہے تو کیا وہ امریکہ، روس، چین اور برطانیہ کے خلاف جہاد شروع کردے گی؟ یہ سمجھنا بڑی زیادتی ہے کہ دنیا کے نقشہ پر جیسے ہی کوئی اسلامی ریاست وجود میں آئے گی وہ جنگ کا ماحول پیدا کردے گی اور غیر اسلامی ملکوں پر یورش کردے گی۔ اسی طرح جہاد کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ جس ملک کے خلاف جہاد ہو اسے بتایا جائے کہ اسلام اللہ کا نازل کردہ دین ہے، اسی میں اس کی خیر و فلاح ہے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ کیا آج کسی اسلامی ملک نے کسی غیر اسلامی ملک کے سامنے یہ فرض ادا کیا ہے؟ نہیں کیا ہے تو وہ جنگی اقدام کیسے کرسکتا ہے؟ تیسری اہم اور بنیادی بات جو واضح ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ جنگ ہر حال میں ریاست کے لیے لازم نہیں ہے۔ موٹی سی بات ہے کہ اگر ہر حال میں جنگ لازم ہوتی تو اسلام نے صلح کا حکم کیوں دیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست دوسرے ممالک سے امن کے معاہدے کرسکتی ہے اور امن کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ قرآن کہتا ہے: اگر دشمن صلح کے لیے تیار ہے تو صلح کرلو، کچھ خطرات اگر محسوس ہوں تب بھی صلح کرلو، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ ہمارے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر ریاست کمزور ہے تو صلح کرلے، لیکن قرآن نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے کہ کمزور ہو تو صلح کرلو، اس کا فیصلہ تو حالات کے لحاظ سے

ہوگا۔ آج کل صرف یہ سوال نہیں ہے کہ آپ پڑوس کے مقابلے میں کتنے مضبوط ہیں، بلکہ عالمی سطح پر جو فضا اور جو صورتِ حال ہے اس کے پیش نظر صلح و جنگ اور امن اور دوستی کے فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح کے فیصلے عالمی حالات کو نظر انداز کر کے نہیں کیے جاسکتے۔ ان سب چیزوں کی قرآن نے گنجائش رکھی ہے اور اسلامی ریاست اس کی روشنی میں خود فیصلہ کرے گا کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟

۹- **سوال** : غیر اسلامی اقتدار کے تحت رہنے والوں پر جہاد نہیں

ابھی آپ نے لفظ کافر کے سلسلے میں بھی اور اب لفظ جہاد کے سلسلے میں باقاعدہ اسلامی ریاست کا ذکر فرمایا ہے۔ ظاہر ہے ہمارا ملک اسلامی اسٹیٹ نہیں ہے۔ تو یہاں ہم مسلمانوں کا رویہ اس سلسلے میں کیا ہونا چاہیے؟

جواب :

جہاد کے بارے میں یہ حقیقت اچھی طرح ذہن میں رہنی چاہیے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان غیر اسلامی اقتدار کے تحت زندگی گزار رہے ہوں۔ ان کے لیے جہاد نہیں ہے۔ یہ بات سمجھانے کی ضرورت ہے۔ مسلمان جب تک مکے میں تھے، جہاد نہیں تھا۔ حبشہ میں جب تک مسلمان رہے اُن کے لیے جہاد کا حکم نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہ دوسری اسٹیٹ میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ البتہ جب اسلامی اسٹیٹ قائم ہوگئی تو اس نے جہاد بھی کیا، صلح بھی کی، جنگیں بھی لڑیں اور اس کے لیے باقاعدہ قوانین بھی وضع ہوئے۔

۱۰- **سوال** : کیا قرآن میں مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟

کچھ اور باتیں ہمارے برادران وطن میں غلط فہمیوں کا باعث ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام کی اشاعت تلوار کے ذریعے نہیں، بلکہ کردار کے ذریعے ہوئی ہے، لیکن ایک غیر مسلم جب قرآن پڑھتا ہے تو اسے کچھ باتیں اس کے برعکس نظر آتی ہیں۔ مثلاً سورۂ توبہ

کی آیت ۵ میں ہے کہ مشرکین کو جہاں پاؤں مارو، انھیں گھیرو اور گھات لگا کر بیٹھو، لیکن اگر وہ توبہ کرلیں، نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو انھیں چھوڑ دو۔'' اس سے تو ایک غیر مسلم یہی تاثر لے گا کہ اسلام بہ جبر پھیلا ہے۔ ہم اس سے زبردستی اپنا عقیدہ منوانا چاہتے ہیں؟

جواب :

یہ خیال صحیح ہے کہ لوگ اس طرح کی آیتیں پڑھیں گے تو غلط تاثر لیں گے۔ مگر یہ تاثر آیات کے سیاق و سباق اور اس کے پس منظر کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوگا۔ لہٰذا اسے سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے۔ ایک بات تو یہ کہ جن آیات کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کا تعلق حالت جنگ سے ہے۔ ظاہر ہے جو بات حالتِ جنگ کے لیے ہوگی وہ حالتِ امن کے لیے نہیں ہوگی۔ جب کسی قوم سے آپ کی جنگ ہوگی تو یہی کہا جائے گا کہ دشمن کو جہاں پاؤ ختم کردو اور اس کی حربی طاقت کو توڑ دو۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ دشمن اگر ہاتھ آجائے تو بھی خاموش بیٹھے رہو۔ اس طرح کی اور بھی جتنی آیات ہیں ان سب کا تعلق جنگ ہی سے ہے، جو بتاتی ہیں کہ حالت جنگ میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے، ان کے اندر کس طرح کا عزم و حوصلہ ہونا چاہیے کہ وہ دشمن پر غالب آسکیں؟ اس طرح کی آیات کو حالت امن پر منطبق نہیں کیا جاسکتا۔

۱۱- **سوال :** جہاد کن قوموں سے ہے اور کن سے نہیں؟

اس بات کی وضاحت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کن قوموں سے جہاد ہوگا اور کن سے جہاد نہیں ہوگا اور صلح و امن کی راہ کس طرح نکالی جائے گی؟

جواب :

اس سلسلے میں کسی قدر تفصیل میں جانا ہوگا۔ قرآن مجید نے صاف طور پر مشرکین اور اہل کتاب میں فرق کیا ہے۔ مشرکین سے جہاد کا حکم ہے اور اہل کتاب کے

بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ اسلامی ریاست کو جزیہ دینے کے لیے تیار ہوں تو ان سے جنگ نہ ہوگی۔

مشرکین کی دو قسمیں ہیں:

ایک مشرکین عرب اور دوسرے مشرکین غیر عرب۔ مشرکین عرب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ اسلام قبول کریں، یا مقابلے کے لیے تیار ہوجائیں۔ اس کے مختلف اسباب تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ان کے درمیان ہوئی، آپ نے براہِ راست ان پر حجت تمام کردی۔ پیغمبروں کے ذریعہ اپنی امتوں پر جس طرح حجت تمام ہوتی ہے اس طرح کسی دوسرے کے ذریعے نہیں ہوسکتی، پھر وہ خانۂ کعبہ پر ناجائز طور پر قابض تھے، جو اسلام کا قبلہ اور مرکز تھا اور جس کے ساتھ حج جیسی عبادت وابستہ ہے۔ ان وجوہ سے مشرکین عرب کے ساتھ شروع ہی سے ایک خاص قسم کی جنگ چل رہی تھی۔ آخری مرحلے میں اُن سے کہا گیا کہ اب فیصلہ تلوار کے ذریعے ہوگا۔ اور اس پر عمل ہوا۔ دیگر مشرک اقوام کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین غیر عرب کا حکم وہ ہے جو اہل کتاب کا ہے۔ اس لیے کہ بالعموم وہ کسی نہ کسی رخ سے آسمانی ہدایت کے قائل ہیں اور اس بات کے بھی دعوے دار ہیں کہ ان کے پاس الہامی کتابیں ہیں۔ وہ اگر جزیہ ادا کرنے کے لیے تیار ہوجائیں تو اسلامی ریاست ان سے جنگ نہ کرے گی۔ اسلامی تاریخ میں امت کا اسی پر عمل رہا ہے۔

۱۲- **سوال**: کیا اسلام اپنے نظریے کو بہ جبر مسلط کرنا چاہتا ہے؟

اسلام پر ایک الزام تشدد پسندی کا بھی ہے کہ وہ اپنے عقیدہ اور نظریہ کو بزور پھیلانا اور دوسری قوموں پر بہ جبر مسلط کرنا چاہتا ہے۔ اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب:

اس معاملہ میں اسلام کا موقف یہ ہے کہ ایک مسلمان جہاں کہیں بھی ہو، اسے

دعوت وتبلیغ کا فرض ادا کرنا چاہیے، لیکن یہ بات واضح رہے کہ وہ ہرگز زور زبردستی یا جبر کی راہ اختیار نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اسلامی ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ اقوام عالم کے سامنے اسلام کو پیش کرے، اس کی حقانیت اور صداقت ثابت کرے اور اسے قبول کرنے کی دعوت دے۔ جو قوم اسے قبول کرنا چاہے، بہ خوشی قبول کرسکتی ہے۔ اگر وہ اس کے لیے آمادہ نہ ہو تو اسے قطعاً مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی اسلامی ریاست اس موقف میں ہو کہ کسی دوسری ریاست کو جبر وظلم سے نکال کر اپنے اقتدار کے تحت لاسکے اور وہاں نظامِ عدل و انصاف قائم کرسکے اور انسانی حقوق بحال کرسکے تو وہ ایسا کرسکتی ہے۔ جزیہ اسی نظام کے قیام کے لیے لیا جاتا ہے۔

۱۳- **سوال :** دار الاسلام اور دار الحرب کا صحیح مفہوم

اسلامی ریاست کی بحث کے ذیل میں دار الاسلام اور دار الحرب کی اصطلاحات بھی استعمال ہوتی ہیں، ان کا صحیح مفہوم واضح کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے کہ بعض اوقات یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو ملک دار الاسلام نہیں ہے وہ دارالحرب ہے۔ دونوں مستقل حالتِ جنگ میں ہوں گے، یا ایک دوسرے کے خلاف ہمیشہ محاذ آرا رہیں گے۔ اور بہت سے وہ احکام و مسائل جو دار الاسلام کے ہیں، وہ دار الحرب میں نہیں ہوں گے۔

جواب :

ایک بات یہ واضح رہنی چاہیے کہ دار الاسلام، یا دار الحرب اور اس نوع کی بعض دوسری اصطلاحات قرآن و حدیث میں نہیں آئی ہیں۔ ہمارے فقہائے کرام نے اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے فرق اور اُن کے ایک دوسرے سے تعلقات کی نوعیت کو واضح کرنے کے لیے یہ اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ان کے مفہوم اور ان سے متعلق احکام میں اُن کے درمیان اختلافات بھی ہیں۔ ان کے مباحث سے بعض عمومی باتیں سامنے آتی ہیں۔ انہیں سادہ لفظوں میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

دار الاسلام وہ ملک ہے، جہاں اسلامی احکام علی الاعلان نافذ ہوں اور اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ خالص مسلم آبادی والا ملک ہو۔ اس میں غیر مسلم بھی ہوسکتے ہیں۔

دار الحرب وہ ملک ہے، جہاں احکام کفر پر علانیہ عمل ہو رہا ہو۔ مسلمان بھی اس کے شہری ہوسکتے ہیں۔ دار الحرب کی اس تعریف ہی سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ دار الاسلام سے اس کی ہمیشہ جنگ رہے گی۔ یا دار الحرب کے مسلمان اپنے ملک سے حالت جنگ میں رہیں گے۔ فقہائے کرام دار الحرب کی جگہ دار الکفر کی اصطلاح بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ معنی و مفہوم کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے۔ یعنی وہ ریاست جس کا نظام اسلام کی جگہ کفر پر مبنی ہو اور وہاں اس کے احکام نافذ ہوں۔ دار الحرب اور دار الاسلام کے جن مسائل سے فقہاء بحث کرتے ہیں ان سے بھی دونوں کی یہ حیثیت اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔ مثلاً دار الحرب میں جو مسلمان ہیں، انہیں ہجرت کر کے دار الاسلام لازماً آجانا چاہیے، یا بعض حالات میں وہیں ان کا قیام زیادہ مناسب ہے۔ دار الحرب کا کوئی فرد قانونی طور پر دار الاسلام آئے تو اس کی کیا حیثیت ہوگی۔ اسی طرح دار الاسلام کا کوئی باشندہ قانونی تحفظات کے ساتھ دار الحرب جائے تو اس کا کیا حکم ہے اور اس کے لیے وہاں کے قوانین کی پابندی کیوں ضروری ہے؟ دار الحرب اور دار الاسلام کے افراد کے درمیان ازدواجی تعلقات کا کیا حکم ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان تجارت اور لین دین کن اصول وضوابط کے تحت ہوگی۔ ان کے درمیان سفارتی تعلقات کا کیا حکم ہے، وغیرہ؟ اس وقت یہ مسائل اور ان سے متعلق احکام زیر بحث نہیں ہیں۔ صرف یہ واضح کرنا پیش نظر ہے کہ دار الحرب کا یہ تصور صحیح نہیں ہے کہ دار الاسلام کے دار الحرب سے سیاسی، معاشی، یا سفارتی کسی بھی قسم کے تعلقات ہی نہیں ہوں گے اور دونوں کے درمیان مستقل جنگ جاری رہے گی۔

فقہائے کرام ایک اصطلاح دار العہد کی بھی استعمال کرتے ہیں، یعنی وہ ملک

جس سے اسلامی ریاست کا معاہدہ ہو۔ اس معاہدے کی شرائط مختلف ہوسکتی ہیں، اس کے لیے مالی لین دین کا بھی جواز ہے۔ یعنی اسلامی ریاست کسی غیر اسلامی ریاست سے مال لے کر بھی معاہدہ کرسکتی ہے اور وقت ضرورت مال دے کر بھی معاہدہ کرسکتی ہے۔ اس کی تفصیل زیر بحث نہیں ہے۔ اس سے یہ بات بہ آسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ جو ملک دارالاسلام نہیں ہے وہ لازماً دار الحرب نہیں ہوگا۔ اور دار الحرب کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس سے اعلان جنگ کر دیا گیا ہے۔ جو لوگ ان تفصیلات سے واقف نہیں ہیں وہی اس طرح کے اعتراضات کرتے ہیں[1]

۱۴- **سوال** : حق دفاع اور جہاد

آپ نے فرمایا جنگ اسٹیٹ کا معاملہ ہے۔ جنگ اسٹیٹ اور اسٹیٹ کے درمیان ہوتی ہے۔ اسلامی اسٹیٹ پر جہاد فرض ہوگا تو وہ جہاد کرے گی۔ اس سلسلے میں مسلم اقلیتوں کی پوزیشن کیا ہے؟ مثلاً ہمارے ملک میں کچھ سیاسی لوگ مسلمانوں کی جان و مال کے درپے ہیں، ان کے طرز عمل سے ہماری عزت و آبرو کو خطرات لاحق ہوگئے ہیں۔ ان لوگوں کی مسلم دشمنی دن بدن واضح ہوتی جا رہی ہے، اس صورت میں اگر مسلمان مزاحمت کے لیے کچھ سوچتے ہیں تو کیا یہ جہاد کی تعریف میں آئے گا؟

جواب :

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اس سلسلے میں وہی بات کہتا ہے جو دنیا کا ہر جمہوری دستور کہتا ہے کہ آدمی کی جان، مال اور عزت و آبرو پر حملہ ہو تو اسے دفاع کا حق ہے۔ اس کے اس حق کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ دفاع کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی نے جب باقاعدہ گولی چلا دی تو آپ سوچیں کہ اب ہمیں دفاع

---

[1] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کے مجموعہ مضامین 'تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث' (ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵) کے حسب ذیل مضامین۔ 'ہندوستان کی شرعی و قانونی حیثیت' اور 'دار الاسلام اور دار الحرب کا تصور- جدید عالمی پس منظر میں'۔

کرنا ہے۔ دوسری صورت یہ کہ ایک شخص بندوق لے کر آپ کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس کے گولی داغنے سے پہلے آپ اپنے دفاع میں اس پر گولی چلا دیں۔ اسی طرح کسی کے گھر میں چار آدمی گھس جائیں، لوٹ مار مچائیں تو صاحب خانہ ان چاروں کو قتل کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ سب دفاع کی صورتیں ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اقدام غلط اور ازروئے قانون جرم نہیں ہے۔ اسلام یہی کہتا ہے۔ آج دنیا کا ہر جمہوری دستور اس کی تائید کرتا ہے۔ اسی طرح انتقام کا حق بھی انسان کو حاصل ہے۔ حق انتقام کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو زیادتی کے بقدر وہ بدلہ لے سکتا ہے، اس کے لیے قانون میں جگہ ہونی چاہیے۔ ایک شخص نے کسی کی ٹانگ توڑ دی تو اسلام کہتا ہے کہ ہم اسے بھی یہ حق دیں گے کہ وہ اس کی ٹانگ توڑ دے، یا اس کا تاوان دے۔ کسی نے کسی کا سر پھوڑ دیا تو اس کے وارث کو یہ حق ہونا چاہیے کہ اس پر قصاص کا دعویٰ کرے۔ دنیوی قوانین بھی اصولی طور پر اسے تسلیم کرتے ہیں، تفصیلات میں اختلاف ہے، اس کے لیے مختلف قسم کی سزائیں تجویز کی جاتی ہیں۔ قرآن وحدیث میں یہ بات بہت وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ آدمی کو انتقام کا بھی حق ہے اور دفاع کا بھی۔ لیکن اصطلاح میں یہ جہاد نہیں ہے۔

۱۵- **سوال :** جزیہ کا صحیح مفہوم

آپ نے اسلامی ریاست کے ذیل میں ابھی جزیہ کا ذکر کیا ہے، یہ بھی غیر مسلموں کے لیے ایک تکلیف دہ اصطلاح بن گئی ہے۔ اس میں وہ اپنی توہین سمجھتے ہیں، آپ اس کی بھی تھوڑی سی وضاحت کر دیں۔

جواب :

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو ذمی کہا جاتا ہے، اُن سے ایک متعین ٹیکس لیا جاتا ہے۔ جسے جزیہ کہا جاتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اسلامی

اقتدار کو تسلیم کرلیا ہے اور وہ اس کے شہری کی حیثیت سے یہ ٹیکس ادا کر رہے ہیں۔ اسلامی ریاست میں ذمی کی جان، مال، جائیداد اور شخصی قوانین اسلامی شریعت کے تحت محفوظ ہوں گے۔ ان پر دست درازی قانونی جرم ہے۔ ذمی کو فوجی خدمت پر مجبور نہیں کیا جائے گا، بلکہ ریاست کے دفاع کے لیے اس سے مالی مطالبات بھی نہیں ہوں گے۔ اسلامی ریاست میں یہ ساری ذمے داریاں مسلمانوں کی سمجھی جاتی ہیں۔ جزیہ کی رقم کے تعین میں اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ وہ ان کی مالی حیثیت کے مطابق ہو اور اسے بہ آسانی ادا کرسکیں۔ جو شخص جزیہ ادا کرنے کے موقف میں نہ ہو اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

۱۶- **سوال :** جزیہ صرف غیر مسلموں سے کیوں لیا جاتا ہے؟

اصل سوال یہ ہے کہ جزیہ یا ٹیکس صرف غیر مسلموں سے کیوں لیا جاتا ہے اور مسلمانوں سے کیوں نہیں لیا جاتا، کیا یہ شہریوں کے درمیان تفریق نہیں ہے؟

جواب :

جو مسلمان صاحب نصاب ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے، صدقۂ فطر واجب ہے، بعض اور صدقات کا بھی اسے حکم دیا گیا ہے۔ آپ یہ سوال کیوں نہیں کرتے کہ اس طرح کے مالی واجبات غیر مسلموں پر کیوں نہیں ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ اسے مسلم اور غیر مسلم کے نقطۂ نظر سے دیکھنا درست نہیں ہے۔ جو بات دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں ذمیوں کے حقوق پوری طرح محفوظ ہیں، یا نہیں؟ جب یہ محفوظ ہیں اور وہ آزادی سے ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو جزیہ کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ اسی وجہ سے اسلامی ریاست میں کبھی ذمیوں نے جزیہ کو موضوع بحث نہیں بنایا اور نہ اُسے بوجھ سمجھا۔ وہ اپنے حقوق سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

۱۷- **سوال :** کیا قرآن کے کچھ احکام منسوخ ہوگئے ہیں؟

قرآن میں کچھ آیات ایسی ہیں کہ جنہیں اُن کے صحیح تناظر میں نہ سمجھنے کی وجہ

سے غلط فہمیاں ہوسکتی ہیں، آپ نے اس کی وضاحت فرما دی ہے۔ اس سلسلے کا ایک ضمنی سوال یہ ہے کہ کیا قرآن کریم کی کچھ آیات، یا اس کے بعض احکام منسوخ بھی ہوئے ہیں؟ یہ سوال اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ بعض علمائے کرام کا یہ خیال ہے کہ قرآن شریف میں مخالفین کے ساتھ عفو و درگزر اور اعراض کی جو تعلیم دی گئی ہے، جہاد کا حکم آنے کے بعد وہ ان کے حق میں منسوخ ہوگئی۔ کیا یہ خیال صحیح ہے؟

جواب:

پہلے نسخ کا مطلب سمجھ لیجیے، نسخ کا مطلب یہ ہے کہ ایک حکم کسی خاص مدت کے لیے دیا گیا تھا، اس مدت کے گزر جانے کے بعد وہ حکم ختم ہوگیا۔ مثال کے طور پر قرآن میں کہا گیا تھا کہ آدمی موت سے پہلے لازماً وصیت کرے اور بتا دے کہ وہ اپنے مال میں سے کسے کیا دینا چاہتا ہے؟ لیکن جب وراثت کا قانون آیا تو وصیت کا حکم باقی نہیں رہا۔ وہ وصیت کرے، یا نہ کرے وراثت نافذ ہوجائے گی۔ اس کے لیے وصیت کرنا ضروری بھی نہیں رہا۔ کوئی وصیت کرنا ہی چاہتا ہوتو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک تہائی مال کے اندر ہی وصیت کرسکتا ہے۔ ایک اور مثال لیجیے، قرآن میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت بدکاری کرے تو اُسے خانہ قید کر دیا جائے، لیکن جب حد زنا نازل ہوگئی اور عورت اور مرد دونوں کی سزا متعین ہوگئی تو سابقہ حکم ختم ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ناسخ و منسوخ دونوں احکام میں سے ایک ہی پر عمل ہوسکتا ہے۔ بعد کے حکم نے بتایا کہ اب پہلے حکم پر عمل نہیں ہوگا۔ لیکن ہمارے علماء بعض اوقات بہت سے اُن احکام کو بھی منسوخ قرار دیتے ہیں، جن کے منسوخ ہونے کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہوتا۔ حالات اور مواقع کے لحاظ سے دونوں طرح کے احکام پر عمل ہوسکتا ہے۔ اب آپ وہی مثال لیجیے جو آپ نے پیش کی ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ دشمنوں کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لو اور ان کو معاف کردو، صبر سے کام لو۔ کہا جاتا ہے کہ جہاد کا حکم آنے کے بعد اب درگزر سے کام نہیں لیا جائے گا، حالاں کہ دونوں احکام پر اپنے اپنے موقع ومحل کے لحاظ

سے عمل ہوسکتا ہے۔ یہاں ان میں سے کسی حکم کو ناسخ اور کسی کو منسوخ ماننے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

۱۸- سوال : اسلام سے خوف و دہشت کیوں؟

یہ درست ہے کہ ہمارے برادران وطن اسلامی احکام و اصطلاحات کے معنی و مفہوم سے بے خبر ہیں۔ اس لیے غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں، یا اسلام مخالف پروپیگنڈے کا شکار ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ مسلمانوں نے اہل وطن تک اسلامی احکام پہنچانے کی کما حقہ کوشش نہیں کی۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ یہ کام سرے سے ہوا ہی نہیں۔ آج انگلش اور ہندی کے علاوہ بیشتر ہندوستانی زبانوں میں تراجم قرآن موجود ہیں۔ اسلامی لٹریچر بھی دستیاب ہے۔ برادرانِ وطن سے روابط بڑھانے کی کوششیں بھی کسی نہ کسی درجے میں ہوتی رہی ہیں۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ہر طرف ایسی فضا بن گئی ہے کہ بہت سے لوگ نہ صرف بدگمانیوں میں مبتلا رہے ہیں، بلکہ اسلام کے نام سے خوف کھاتے ہیں جیسے وہ امن عالم کے لیے سخت خطرہ ہے۔ اس کے ذکر ہی سے ہر طرف خوف و دہشت کا ماحول پایا جاتا ہے؟

جواب :

اس سلسلے میں میرا خیال یہ ہے کہ بعض باتیں ہمیں سامنے رکھنی چاہئیں۔ ایک بات یہ ہے کہ یہ کہنا غالباً صحیح نہیں ہے کہ اسلام کے ذکر سے ساری دنیا میں اور ہر طرف خوف و دہشت پائی جاتی ہے۔ لیکن یہ ہم ضرور کہیں گے کہ اگر کہیں اسلام کے نام پر خوف کی فضا ہے تو یہ مغرب نے، خاص طور پر امریکہ نے پیدا کر رکھی ہے۔ ایک طویل عرصہ سے مغرب نے اسلامی عقائد و افکار ہی کو نہیں، اس کی تہذیب و معاشرت اور اس کی پوری شریعت ہی کو ہدفِ تنقید بنا رکھا ہے کہ اسلام میں سخت تعزیرات ہیں، وحشیانہ حدود ہیں، لونڈیوں اور غلاموں کا تصور ہے، کثرت ازدواج کا جواز ہے وغیرہ۔ اس طرح اسلام کی تصویر مسخ کرنے کی کوشش کی گئی اور اب بھی یہ کوشش جاری ہے کہ خود مسلمان

اس سے شرمندگی محسوس کرنے لگیں اور دنیا اسے دور وحشت کی یادگار سمجھ کر رد کردے۔ امریکہ بھی یہ سوچتا رہا اور دنیا کو سمجھاتا رہا کہ اسلام کا دور گزر چکا ہے۔ اب اس کی افادیت نہیں رہ گئی ہے۔ اس وقت کسی قدیم فکر کی نہیں ایک نئے عالمی نظام (New World Order) کی ضرورت ہے۔ یورپ بھی اور امریکہ بھی سوچ رہے تھے کہ اس کے بعد اسلام کی طرف رجحان نہیں بڑھے گا۔ مسلمان اور اسلام ان کے لیے علمی، فکری، تہذیبی کسی بھی میدان میں پریشانی کا باعث نہیں ہوں گے، لیکن سو ڈیڑھ سو سال کی کوشش کے باوجود وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ وہ عام مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ نہیں کر پا رہے ہیں، بلکہ ادھر قریب کے زمانے میں ان کے اندر اسلام کی طرف پلٹنے، اسے زندہ اور غالب کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ جو نسلیں آرہی ہیں اور جو خود مغرب کی گود میں پرورش پا رہی ہیں، وہ بھی بجائے اس کے کہ ان کی تہذیب میں گم ہوجائیں اور اسلام سے نفرت کرنے لگیں، اس کی طرف پلٹ رہی ہیں، اور جو لوگ پلٹ نہیں رہے ہیں اُن کو احساس ہے کہ وہ غلط کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ فکر عام ہوتی جا رہی ہے کہ اسلام کو سربلند اور غالب ہونا چاہیے۔ یہ بھی انھوں نے دیکھا کہ دنیا کا کوئی مسلم ملک ایسا نہیں ہے جہاں یہ احساس شدت کے ساتھ موجود نہ ہو۔ انہوں نے مسلم ریاستوں کے سربراہوں کو تو اپنے کنٹرول میں کرلیا ہے، لیکن عام لوگ ان سے سخت نفرت کر رہے ہیں اور اسلام کے احیاء کا جذبہ ان کے اندر بہرحال باقی ہے۔ ان کے سینوں میں یہ تمنا پرورش پا رہی ہے کہ اسلام کو سربلند ہونا چاہیے اور وہ ایک نہ ایک دن سربلند ہوکر رہے گا۔ لہٰذا انھوں نے سوچا کہ اسلام کو اس طرح پیش کرو کہ اسلام آئے گا تو دہشت گردی لے کر آئے گا، خون خرابہ لے کر آئے گا اور انسانی حقوق کو ختم کر دے گا۔ اس کے لیے انھوں نے اسلام کو دہشت گردی سے جوڑ دیا۔ اس میں شک نہیں کہ سیاسی مصالح کے تحت کبھی کبھی اسلام کی تعریف بھی کی جاتی ہے، لیکن اصلاً اسے حریف ہی کی حیثیت سے دیکھا جا رہا ہے اور اس کے سلسلے میں

عداوت کے جذبات کہیں پنہاں ہیں اور کہیں نمایاں۔ آج دنیا امریکہ کے زیر اثر ہے، اس لیے وہ جو کچھ کہتا ہے اسے دنیا کے دوسرے ممالک بھی دہراتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی ایسی تنظیمیں اور جماعتیں ہیں جو اسلام کو حریف سمجھتی اور اس سے خوف کھاتی ہیں۔

۱۹- سوال : ہندوستان میں اسلام مخالف پروپیگنڈا کا سبب

یہ درست ہے کہ اسلام مخالف پروپگنڈے کی موجودہ لہر امریکہ اور اسرائیل کی طرف سے چلائی گئی ہے، یا یوں کہا جائے کہ اس میں شدت آئی ہے۔ مگر ہمارے برادرانِ وطن، جن میں خاصی تعداد پڑھے لکھے افراد کی ہے، حقیقت پسندی سے آخر کیوں کام نہیں لیتے؟ کیا وجہ ہے کہ ہر ناپسندیدہ واقعہ کو مسلمانوں سے منسوب کیا جاتا ہے اور لوگ یقین بھی کر لیتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟

جواب :

اس کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کا آپ اس طرح مقابلہ نہیں کر پا رہے ہیں جیسے مقابلہ کرنا چاہیے۔ مغرب کے پاس جدید ذرائع ابلاغ ہیں۔ وہ مسلسل اور مختلف پہلوؤں سے یہ بتا رہا ہے کہ اسلام دنیا کے لیے شدید خطرہ ہے، اور وہ دہشت گردی کا علم بردار ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی بربریت اور وحشت کے واقعات ہو رہے ہیں، اس کے پیچھے اسلام اور اس کے ماننے والے ہیں۔ اس سے آج کے سنجیدہ افراد بھی متاثر ہو جائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ادھر ذرا ہمارا حال دیکھئے کہ میڈیا جس بڑے پیمانے پر اسلام کے خلاف پروپگنڈہ کر رہا ہے، کیا ایک فیصد بھی ہماری طرف سے اس کا جواب دیا جا رہا ہے؟ پھر ہم کیسے توقع کریں کہ دوسرا پہلو بھی ان کے سامنے آئے گا۔ آج میڈیا میں ہم جیسے لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ کوئی یہ پوچھنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ اسلام کے بارے میں یہ ناپسندیدہ اور خطرناک خیالات پائے جاتے ہیں، آپ کیا سوچتے ہیں؟ آپ تو اپنے آدمی ہیں اس لیے آ گئے ہم سے پوچھنے کے لیے، میڈیا والوں کا حال یہ ہے کہ ان کی

مرضی، یا موجودہ رجحان کے خلاف کوئی بات کہہ دیجیے اسے وہ نہ چھاپیں گے اور نہ نشر کریں گے۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ سب نے مل کر جیسے فیصلہ کرلیا ہو کہ وہ اسلام کے بارے میں مغرب کی ترجمانی کا فرض انجام دیں گے۔ ہماری آواز دبی ہوئی ہے۔ فرض کیجیے، اگر کچھ لوگ کسی اچھے خاصے شریف اور دیانت دار شخص کو چور چور اور ڈاکو ڈاکو کہنا شروع کردیں اور اس بے چارے کی زبان بند کردی جائے اور اسے بولنے نہ دیا جائے تو کیا وہ فی الواقع چور ثابت ہوجائے گا؟ لیکن جو لوگ سادہ لوح ہیں وہ یہیں سمجھیں گے کہ جب سب لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ شخص چور اور ڈاکو ہے تو واقعی ڈاکو ہوگا ہی۔

۲۰- سوال : مسلمان کیا کریں؟

آپ بتائیں کہ صورت حال سے نپٹنے، برادران وطن کی غلط فہمیاں دور کرنے اور اسلام مخالف لہر کا جواب دینے کے لیے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب :

مسلمانوں کو اپنی پوری صلاحیت اور توانائی اس میں لگانی چاہیے کہ ہماری بات بھی اسی زور اور قوت کے ساتھ آئے جیسے مخالف حلقے کی بات آرہی ہے۔ افسوس کہ اس ضرورت کا اس طرح احساس نہیں ہے جیسا ہونا چاہیے۔ اتنی بڑی امت اس کا فیصلہ کرلے اور اپنے مادّی وسائل اور ذہنی وفکری صلاحیتوں کو استعمال کرنے لگے تو مغرب اور اس کے حلیفوں کے مخالفِ اسلام پروپیگنڈہ کا جواب دیا جاسکتا ہے اور دنیا کے سامنے اس کی بے داغ اور خوب صورت تصویر آسکتی ہے۔ ایک دوسری بات جو اس سے بھی مشکل ہے، وہ یہ کہ ہماری تصویر اہل ملک کے سامنے بہتر ہو، اگر ایک شخص کہے کہ فلاں صاحب غلط ہیں، تو دس بیس آدمیوں کو کہنا چاہیے وہ غلط نہیں ہیں۔ یہاں تو ایک آدمی بھی یہ کہنے والا نظر نہیں آتا۔ آپ ذرا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں غور کریں۔ ہزار الزامات لگائے جاتے تھے، لیکن کوئی بھی شخص آپ کو اور آپ کے اصحاب کو غلط کار کہنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ جو غیر متعصب اور

صاف ذہن کے لوگ ہیں، وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان عملی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کے سوچنے کا انداز یہ ہے کہ سب میں بگاڑ ہے۔ سب ایک سے ہیں۔ ہم بھی چور ہیں تم بھی چور، ہم بھی رشوت لیتے ہیں تم بھی رشوت لیتے ہو، ہم بھی پیتے ہیں تم بھی تھوڑا بہت پیتے ہی ہو، ہم سب ہی اس حمام میں ننگے ہیں۔ ہمارے اور تمھارے درمیان اس کے علاوہ کیا فرق ہے کہ تم جمعہ کے روز مسجد چلے جاتے ہو، ہم بھی ضرورت پڑنے پر مندر جاتے ہی ہیں؟ یہ ہماری تصویر ہے۔ جو مشکل کام ہے وہ یہ ہے کہ ہم اسلامی زندگی کا بہتر نمونہ پیش کریں، دنیا کو معلوم ہو کہ مسلمان کا یہ کردار ہوتا ہے، لیکن کسی میں اس کی ہمت ہی نہیں ہے، حوصلہ ہی نہیں ہے۔ آپ اپنے اخبار کے ذریعہ اس کی فضا بنائیے، آپ مخالفین کا جواب دیتے ہیں۔ ان کو اسلامی دشمنی پر تنقید کرتے ہیں، یہ ضروری ہے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی ان کی کمزوریوں کی طرف توجہ دلائیے کہ وہ بہتر نمونہ پیش کریں، تا کہ دنیا کہہ سکے کہ مسلمان ایسا ہوتا ہے، ایسا نہیں ہوتا۔ دونوں سطحوں پر کام ہونا چاہیے۔